سیّد الطائفہ

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

اور

انکے نامور خلفاء

از

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مع

مختصر تعارف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

از

مولانا سیّد نجم الحسن تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت

مرکز معارف حکیم الامت (بیت اشرف)

تھانہ بھون، مظفر نگر یوپی

کچھ کتاب کے بارے میں

اکابر واسلاف اور بزرگانِ دین کے حالات وواقعات سے واقفیت کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔

عرصہ سے خواہش اور دلی تمنا تھی کہ ''دکانِ معرفت'' کے اقطاب ثلاثہ اور سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نامور خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ یکجائی طور پر آجائے۔ اتفاق سے حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی کتاب 'تذکرہ اہل دل' سامنے آگئی اور اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ کتاب کے آخری حصہ میں حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے تین اہم خلفاء کا جامع تذکرہ دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ چوتھے اہم خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ کے حالات بھی حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کے قلم سے ماہ نامہ حسن تدبیر دہلی کے 'حکیم الامت نمبر' میں مل گئے۔ معاً خیال آیا کہ اب مستقل تحریر کی ضرورت نہیں، اِنہی مستند تذکروں کو علیحدہ کتابی شکل دے دی جائے، ان میں جو فصاحت و بلاغت، تحقیق و تدقیق اور برکت و تاثیر ہے وہ کہاں میسر ہو پائے گی۔ البتہ حضرت حکیم الامتؒ والا مضمون ''حسن تدبیر'' میں کسی قدر مفصل تھا، اس لئے اس میں قدرے تلخیص کی گئی ہے۔ آخر میں خانقاہ امدادیہ کا تعارف اور اقطاب ثلاثہ میں بقیہ دو یعنی حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے بھی مختصر احوال شامل اشاعت کئے جارہے ہیں۔ جن کو والد محترم مولانا سیّد نجم الحسن تھانوی نے مرتب فرمایا ہے۔

مرکز معارف حکیم الامتؒ (بیت اشرف) تھانہ بھون اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو قبول اور نافع فرمائے۔

سیّد حذیفہ نجم تھانوی (متعلم دارالعلوم دیوبند)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

(ولادت ۱۲۳۳ھ وفات ۱۸۹۸ء)

ان صفحات میں ایک ایسی قد آور شخصیت کا تذکرہ مقصود ہے جس کی عظمت ورفعت اوراس کی بلند نگاہی کا زمانہ نے اعتراف کیا اور دینی تفقہ، ایمانی فراست اور ظاہر و باطن کی اجتماعیت میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، جسے دینی امور کی قیادت حاصل تھی اور امورِ زندگی کو سمجھانے میں جس کی برتری مسلم تھی، ایک طرف اس نے روحانی تربیت، اور قلب ونظر کے تزکیہ کا کارنامہ انجام دیا اور خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات کی صدا لگائی تو دوسری جانب انگریزوں کی غلامی کے خلاف شاملی کے تاریخی میدان میں جنگ آزادی کی قیادت کی اور وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا فریضہ ادا کیا۔

ہندوستانی تاریخ کی یہ عظیم شخصیت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شخصیت تھی۔ وہ ۱۲۳۳ھ میں سہارنپور کے اطراف میں نانوتہ کے تاریخ ساز مقام پر اپنے ننہال میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ان کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یو پی) تھا۔ حاجی صاحب کا سلسلۂ نسب سیدنا فاروق اعظمؓ تک پہونچتا ہے سات سال کی عمر میں ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی تربیت کی ذمہ داری شیخ محمد امین تھانویؒ پر آپڑی۔ سولہ سال کی عمر میں انہوں نے دہلی کا سفر کیا۔ اور صرف ونحو کے علاوہ خصوصیت سے فن حدیث کی تعلیم حاصل کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان پر علم کے دروازے کھول دئے اور انہیں تھوڑے ہی عرصہ میں دینی فہم اور

کتاب وسنت سے خاص تعلق پیدا ہو گیا۔

صلاح وتقوی پیدائشی طور پران کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا جس نے آگے چل کر کائنات کے رازہائے سربستہ اور اسرار حکمت وقدرت ان پر واضح کئے اور تعلق مع اللہ، مخلوق خدا پر نظر، اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کی فکر اور محبتِ رسول ان کی زندگی کے امتیازی خصائص بن گئے۔

حاجی امداداللہ صاحب، عام علماء ومشائخ کی طرح دین کے کسی ایک پہلو پر عامل نہیں تھے بلکہ وہ دین کو ہمہ جہت اور ہمہ گیر سمجھتے تھے اور زندگی کے وسیع تناظر میں اس کو راہ نما مانتے تھے۔انہوں نے مسلمانوں کی دینی اور تعلیمی بیداری کے لئے موجودہ حالات کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا۔اور دلوں میں ایمان وعقیدہ کا بیج بونے کے لئے وسیع تیاری کی۔

حضرت حاجی صاحب، قیادت کے اسٹیج پر اس وقت نمودار ہوئے جب پورا ملک انگریزی سامراج کے خلاف بغاوت کی آگ میں جھلس رہا تھا۔اور انگریزی استعمار کے خونی پنجے پورے ملک کا گلا دبوچنے کو تیار تھے۔ایک منظم منصوبہ کے تحت مسلمانوں کو دینی عقائد اور تعلیمی اور تہذیبی ورثہ سے محروم کیا جارہا تھا، اوران کی اس روشن تاریخ سے ان کا رشتہ کاٹا جا رہا تھا۔جس میں انہوں نے بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دئے تھے اور زمانہ گذرنے کے باوجود جس کو مٹانا اور بھلانا آسان نہیں۔

جب حاجی صاحب نے دین کی خدمت، اور مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مقام واپس دلانے کے لئے جدوجہد شروع کی تو نصرت غیبی نے ان کی تائید فرمائی اوران کو ایسی مخلص شخصیات اور علماء کرام میسر آگئے جن کی وجہ سے وہ اس ملک میں انگریزی حکومت کے خلاف برپا ہونے والے ایک انقلاب کی قیادت کر سکے، اور عام مسلمانوں کو ان کا مقام ومرتبہ واپس دلانے میں مثالی کردار ادا کرنے کے قابل ہوئے۔

مسلمانوں میں دینی روح پیدا کرنے اور دلوں کی بجھتی ہوئی انگیٹھیوں کو شعلہ بار

کرنے اوران کوخواب غفلت سے بیدار کرنے کی جدوجہد میں جن اکابر علماء نے ان کا ہاتھ بٹایاان میں حضرت مولانارشید احمد گنگوہی، حضرت مولانامحمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانامحمد یعقوب نانوتوی، حافظ ضامن شہید، اور مولانا منیر احمد نانوتوی کے نام سرفہرست ہیں۔ حاجی صاحب کو جوزمانہ ملا اس میں ملک کے حالات سازگار نہیں تھے، پورا ملک ایک طرح کے انتشار اور بے چینی میں مبتلا تھا، اور پوری ہندوستانی قوم خصوصاً مسلمان انگریزی حکومت کا خاص نشانہ بنے ہوئے تھے، ان پر ظلم وخوف ودہشت اور لوٹ مار کی ہر قسم روا رکھی جاتی تھی اور نفرت وایذارسانی کی کوئی نہ کوئی تلوار ان کے سر پر ہر آن لٹکی رہتی تھی۔

اس خوفناک صورت حال کے خلاف پورے ملک میں بغاوت کی فضا پیدا ہوگئی اور لوگ انگریزی حکومت کے خاتمہ کے منصوبے بنانے لگے، یہ ۱۸۵۷ء کا سال تھا پوری ہندوستانی قوم انگریزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، آندھی طوفان کی طرح بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور انگریزوں کے خلاف پورا ملک ایک آواز ہوگیا۔ انقلاب کی اس تحریک کی قیادت ملک کے ممتاز ربانی علماء کے ہاتھوں میں تھی جنہوں نے اپنی جدوجہد اور شعلہ بار تقریروں سے انقلاب کی آگ لگادی، اور جہاد وقتال کی گرمی پیدا کردی۔ اس کے نتیجہ میں ملک کے چپہ چپہ پر انقلاب کی آواز بلند ہونے لگی اور جگہ جگہ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان خونی جھڑپیں ہوئیں جن میں برادران وطن بھی ان کے شانہ بشانہ رہے ہر جگہ اس پورے انقلاب کی قیادت علماء کرام کے ہاتھوں میں تھی اس پوری جدوجہد کو "انقلاب ۱۸۵۷ء" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ اور ان کے حلیف علماء کرام نے منصوبہ بنایا کہ مختلف علاقوں میں الگ الگ انقلاب اور مسلح جدوجہد کے مرکز بنا کر انگریزوں کے خلاف جنگ کی جائے۔ حاجی صاحب کا وطن ہونے کی وجہ سے تھانہ بھون کو ملک کی آزادی میں ایک مرکزیت حاصل تھی حاجی صاحب نے وہیں اپنی خانقاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر انگریزی استعمار کے خلاف بغاوت کا اعلان اور ہندوستان میں ان کی حکومت کے خاتمہ کے لئے جدوجہد شروع کی اور

اس جدوجہد کو تقویت پہونچانے کے لئے اسے مسلمانوں پر اور خصوصاً علماء پر فرض قرار دیا۔
حاجی صاحب کو اس سلسلے میں علماء کی صرف زبانی تائید حاصل نہیں ہوئی بلکہ وہ عملی طور پر ان کا ساتھ دینے کے لئے میدان میں اتر پڑے ان میں سے حافظ محمد ضامن شہید معرکۂ شاملی، مولانا محمد تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حاجی صاحب کے پاس وقتاً فوقتاً تشریف لاتے تھے اور جہاد کے امور پر تبادلۂ خیال کرتے تھے اور اس سلسلہ کی تیاریوں کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔
انگریز نے اس جدوجہد کو کچلنے کی کوشش کی، اس نے اپنی عادت کے مطابق پیسوں اور عہدوں کا لالچ دے کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیڈروں کو خرید لیا اور باقی لوگوں کی گرفتاریاں شروع کردیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بیشتر بڑے قائدین اور مصلحین کو جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا خود سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور ان کے اہل خانہ کو قید کر کے رنگون بھیج دیا۔ اور اس طرح ملک سے مغل سلطنت کا عملاً خاتمہ ہو گیا۔
حاجی صاحب اور ان کے رفقاء کار آزادی اور جہاد کی اس تحریک کو پوری طرح عام کر چکے تھے اب انہوں نے اپنے مسائل حل کرنے کے لئے اور انگریزی حکومت کا بائیکاٹ کرنے کے لئے تھانہ بھون کو اپنا مرکز بنایا۔
تھانہ بھون میں آزادی کے متوالے مسلمان مجاہدین جمع ہونے لگے اور انہوں نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو اپنا امیر اور قائد جہاد بنالیا۔ مجاہدین ابھی اپنے قائد کا انتظار ہی کر رہے تھے اچانک انہیں خبر ملی کہ انگریز اپنا توپ خانہ تھانہ بھون سے (جہاں ان کی فوجی چھاؤنی تھی) شاملی لے جا رہے ہیں۔
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی مجاہدین کا ایک دستہ لیکر ایک محفوظ مقام پر پہونچ گئے۔ اور جب دشمن اپنا توپ خانہ اور گولہ بارود لے کر وہاں سے گزرا تو مولانا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجہ میں دشمن بوکھلا گیا اور وہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جس پر مسلمانوں نے مال غنیمت کی طرح قبضہ جمالیا۔

اسی طرح دوسرے مجاہدین علماء نے شاملی کے دوسرے انگریزی ٹھکانوں پر چھاپہ مارا اور شدید حملے کئے۔ اور ثابت قدمی اور جوش جہاد کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ لیکن انگریزی فوج زیادہ تھی اور مسلح تھی انہوں نے مجاہدین پر گولیاں چلانا اور مسلسل گولے پھینکنا شروع کردئے دشمن کی ایک گولی حافظ ضامن کے سینہ میں لگی اور انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس سے دشمنوں کی فوج کو حوصلہ ملا اور انہوں نے مسلمانوں پر لگاتار حملے کئے، اس جنگ میں انگریزوں کا بہت بڑا جانی و مالی خسارہ ہوا لیکن بالآخر مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔

۱۸۵۷ء کے اس انقلاب کی ناکامی، ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک المیہ اور دردناک واقعہ تھا۔ اس کے بعد پورے ملک میں انگریزوں کے اثرات پھیل گئے اور ان کے قدم جم گئے اس انقلاب کی قیادت کے جرم میں مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ان کو تکلیف پہونچائی گئی اس ضمن میں حاجی صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری ہوئے اس لئے انہوں نے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ کراچی ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت فرمائی اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔

مکہ مکرمہ چلے جانے کے بعد بھی حاجی صاحب کی آزادی کے سلسلہ میں دلچسپی کم نہیں ہوئی وہ مسلسل یہاں کے حالات کی اطلاع رکھتے تھے اور یہاں کے لوگوں کو اپنی ہدایات سے نوازتے رہتے تھے۔ اور تحریک آزادی کی کامیابی کے لئے اپنے پیغامات سے نوازتے تھے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد حاجی صاحب نے بڑی شدت کے ساتھ ایک ایسے مرکز کی ضرورت محسوس کی جہاں وہ ان حملوں سے محفوظ رہ سکیں اور دین اور دنیا کے اپنے سرمایہ کی حفاظت کرسکیں اس کے لئے انہوں نے اپنے احباب کو ایک بڑے دینی ادارہ کے قیام کی راہ دکھائی جس کا مقصد انگریزی حکومت کے مقابلہ میں شکست کھاجانے کے بعد مسلمانوں کے دینی پہلو کی حفاظت اور سیاسی مسائل سے زیادہ انہیں دینی قیادت مہیا کرنا تھا۔

اس غرض کے لئے انہوں نے دیوبند میں ایک بڑا مرکز (دارالعلوم) قائم کیا یہ دینی علوم کی تدریس کا صرف ایک ادارہ نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے بچے کھچے تہذیبی سرمایہ کی حفاظت کا ایک محفوظ قلعہ اور دین سے محبت، خودداری اور عزت نفس کی بنیاد پر نئی نسل کی تربیت، اور موجودہ سیاسی حالات کے مقابلے کے لئے ضروری جدوجہد کا ایک وسیع ترپلیٹ فارم تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" میں ہندوستان کی دینی قیادت پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے قائم کئے ہوئے اس ادارہ کو وہ دینی علوم اور درس وتدریس اور فقیہ اور معلم پیدا کرنے کا محض ایک مدرسہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسلامی سلطنت کے خاتمہ اور انقلاب کی ناکامی کے بعد وہ اسے داعیوں اور مجاہدوں کی ایک چھاؤنی سمجھتے تھے۔"

بلاشبہ اس ادارہ نے بڑی حد تک اپنا مطلوبہ رول انجام دیا اور جنگ آزادی اور ملکی سیاست میں غیر معمولی حصہ لیا اور اس ملک کو انگریزی قبضہ سے آزاد کرانے اور ایک قومی حکومت کے قیام میں اس ادارہ کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی دینی علمی خدمات اس ملک میں روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ایمان اور تقویٰ سے بھرپور زندگی میں حاجی صاحب کی مخلصانہ خدمات ان کی جدوجہد اور ان کے زہد وتقوی کا خاص حصہ ہے۔ انہوں نے ان کے اندر جہاد وعمل کی اسپرٹ پیدا کرنے کے علاوہ رضاءِ خداوندی کے حصول کے راستے بھی بتائے، اور بیاباں کی شبِ تاریک میں نور کی شمعیں فروزاں کیں اور زندگی کی یہ حقیقت یاد لائی کہ زندگی مسلسل جدوجہد اور پیہم عمل کا نام ہے۔

حاجی صاحب اپنے روحانی مقام ومرتبہ میں اپنے بہت سے معاصرین سے فائق تھے اور اللہ کے فضل واحسان کی بدولت انہوں نے ملک کے بگڑتے ہوئے حالات کی اصلاح کی اور معاشرہ کو عیسائیت کے اس خطرہ سے بچایا جو عیسائی مشنریز کی حکومتی سطح پر سرپرستی کے

سبب پیدا ہو گیا تھا۔

حاجی صاحب کو علماء ومشائخ کے یہاں بھی محبوبیت کا مقام حاصل تھا اور اپنی علمی صلاحیت اور معرفت کے باعث وہ دینی قیادت اور بیعت وارشاد کی مسند پر فائز تھے، انگریزی حکومت کے ظلم وجبر اور طرح طرح کے جور واستبداد کی وجہ سے جب دوسرے علماء ومشائخ مسلمانوں کی قیادت سے کنارہ کش ہونے لگے تھے حاجی صاحب نے ملت کی دستگیری کی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔

انگریزوں نے اصلاح وتربیت اور بیعت وارشاد کے اس دروازہ کو بند کرنا چاہا اور اس کے لئے دھمکی اور سزا کا ہر حربہ استعمال کیا۔ حکومت سمجھتی تھی کہ حاجی صاحب کی قائدانہ شخصیت کبھی بھی ان کی حکومت کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اس لئے اس نے اس چراغ کو بجھانے اور اس آواز پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انگریز کی تمام کوششوں کے باوجود ان کی دعوتی سرگرمیاں جاری رہیں۔

بالآخر ملکی حالات، اور حکومت کی پابندیوں نے انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے کعبۃ اللہ میں اللہ کے حرم اور اس کے جوار کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا۔ اس سے پہلے ہی وہ رسولِ خدا کی چوکھٹ سے وابستہ تھے، اور آپ کی سنتوں کو حرز جاں بنائے ہوئے تھے ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا سمندر موجزن تھا۔ اور دین صحیح اور قوت ایمانی اور دینی فہم کا انہیں وافر حصہ عطا کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں محبت کا ایسا جنوں حاصل تھا جس کے سامنے ہر رکاوٹ بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ اور جس کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ سرنگوں ہو جاتے ہیں ایمان کی ایسی مجنونانہ محبت جب دلوں میں داخل ہوتی ہے تو عجائب کا ظہور ہوتا ہے اور دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

حاجی صاحب کا اصلاح وتربیت کا انداز دوسرے علماء ومشائخ سے کچھ علاحدہ نہ تھا لیکن وہ اس میں حالات زمانہ کی رعایت کرتے تھے اور اس سے دوررس نتائج پیدا کر لیتے تھے۔ انہوں نے مسلم معاشرہ کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا، اور یہ نتیجہ نکالا تھا کہ معاشرہ کو

سب سے زیادہ دینی عقائد کے بہم اور کتاب وسنت کی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

انہوں نے محسوس کیا کہ انگریز ایک تعلیم یافتہ قوم ہے، اور تعلیم کے بغیر کسی قوم کا کوئی وزن یا سیاست میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے پایا کہ اگر ہماری قوم جہالت اور ناواقفیت کے عالم میں پڑی رہے گی تو دینی بنیاد پر صحیح اسلامی معاشرہ قائم نہیں کر سکے گی اور نہ ہی وہ دوسری تہذیبوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر سکے گی۔

اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے اندر دینی تعلیم اور اسلامی روح پیدا کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ اور تعلیم وثقافت کی اشاعت کو اپنا نصب العین بنایا۔ ان کی خواہش تھی کہ دین کی فہم کا یہ رجحان عام ہو جائے اور مسلمان احساس کمتری سے محفوظ ہو جائیں اور عقیدہ وایمان کی ہر کمزوری ان کے اندر سے نکل جائے۔

ان کی جدوجہد کے نتیجہ میں علماء ربانی اور مخلص بزرگان دین کی ایک پوری جماعت پیدا ہوئی۔ جس نے اصلاح وتربیت کے میدان میں ان کی پیروی کی اور دعوت وارشاد کے ان کے طریقہ کو اپنایا۔ اور دوسرے علمی اور دینی حلقوں میں ان کی دعوت اور فکر عام کرنے کے لئے جا ،جہد کی۔

ان مخلص علماء کرام کی اس مخلصانہ جدوجہد کی پہلی کاوش دیوبند کا مرکزی ادارہ تھا جو حاجی صاحب کے خوابوں کی تعبیر اور ان کی آرزوں کی تکمیل تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حاجی صاحب کے ایک متوسل عالم حج کے موقع پر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور انہوں نے حاجی صاحب سے درخواست کی کہ ہم لوگوں نے دیوبند میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے، آپ سے اس کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ حاجی صاحب نے برجستہ جواب دیا:

> ''سبحان اللہ، آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے۔ کتنے نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں دین کی بقاء کے لئے رورو کر دعائیں کی ہیں اور یہ مدرسہ انہیں کی دعاؤں اور آہوں کا نتیجہ ہے۔''

حاجی صاحب کا یہ جواب پوری وضاحت کیساتھ ثابت کرتا ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے یہ تمنا رکھتے تھے کہ مسلمانوں کا کوئی مرکزی دینی ادارہ ہو جو انہیں دینی علوم سکھائے اور اسلامی تعلیمات سے انکو آشنا کرائے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ملک کے اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کی اصلاح کا اس سے بہتر کوئی طریقہ ممکن نہیں۔

خود حاجی صاحب نے حرم کے چاروں طرف ایمان و یقین کے حلقے قائم کر دئے اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے سرزمین حجاز میں اُن سے دینی خدمت اور مسلمانوں کی تربیت کا بڑا کام لیا اور بیت اللہ کے سایہ میں یہ ایسی بڑی سعادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی دوسری سعادت نہیں۔ حاجی صاحب نے (دارالعلوم کی شکل میں) ہندوستان میں علم کی جو شمع جلائی تھی وہ مخالف آندھیوں کے درمیان اور ناسازگار حالات میں بھی اپنا نور بکھیرتی رہی اور آج تک طالبوں اور حاجت مندوں کیلئے اس کی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی طرح سرزمین حجاز پر کی جانے والی حاجی صاحب کی خدمات بھی نا قابل فراموش ہیں۔ نہ جانے کتنے دلوں کو انہوں نے نور ایمانی سے بھر دیا، کتنی عقلوں اور ذہنوں کو جلا بخشی اور عربوں کے معاشرہ میں دینی غیرت اور قربانی کے جذبات پیدا کر دیئے اور دینی فہم اور عمل کے دروازے کھولے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان حسنات کا اجر حاجی صاحب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

حاجی صاحب کی جمادی الثانیہ ۱۳۱۷ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ یہ پوری مدت انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بسر فرمائی اور اس حیات مستعار کے چالیس سال انہوں نے حرم محترم کے جوار میں مکہ مکرمہ میں گذارے اور اپنے کارناموں کے باعث اسلامی تاریخ میں ایک روشن صفحہ کا اضافہ فرمایا۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ تحریک ندوۃ العلماء کو حاجی صاحب کی بھرپور تائید حاصل رہی اور وہ اس کی بنیادی فکر کے مداح تھے اور انکے ارکان ندوۃ العلماء سے اتنے گہرے تعلقات تھے جس کی وجہ سے انہیں ندوۃ العلماء کا نگرانِ اعلیٰ یا سرپرست سمجھا جا سکتا ہے، بعض کاغذات پر ان کے دستخط اور ان کی بعض تائیدی تحریریں اب بھی موجود ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

قاسم العلوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۱۲۴۸ھ............۱۲۹۷ھ)

اگر آپ ہم سے سوال کریں۔ وہ شخص کون ہے جو گذشتہ صدی میں مسلمانوں کی علمی اور ثقافتی تعمیر نو کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا؟ جس نے ارتداد والحاد کا خطرہ بھانپ لیا تھا اور محسوس کرلیا تھا کہ پوری اسلامی نسل اس خطرۂ عظیم کا شکار ہونے جارہی ہے اور وہ اس کے مقابلے کے لئے کمر بستہ ہوگیا؟

اگر آپ ہم سے سوال کریں۔ انیسویں صدی عیسوی کا وہ ہیرو کون ہے جو اس طوفان کے مقابلے میں چٹان بن گیا اور جس نے اس طوفان بلاخیز کے سامنے سد سکندری قائم کردی۔ اس نے باطل کو سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا۔ اسلام کی مدد کی اور اسلامی معاشرہ کی حفاظت کا سامان کرڈالا؟

اگر آپ ہم سے پوچھیں اس ملک کا وہ مرد میداں کون ہے جس پر اللہ نے علم ویقین کے دروازے کھول دیئے تھے اور انگریزوں کے غلبہ اور ان کی تبلیغی کوششوں کے باوجود جس سے اللہ تعالیٰ نے علم ودین کی خدمت کا بڑا کام لے لیا؟

اگر آپ اس طرح کے چند اور سوالات کریں تو ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ وہ شخصیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شخصیت ہے، وہ اس عالم جلیل کی

شخصیت ہے جو گذشتہ صدی میں افراد سازی اور دعوتِ حق کے صفِ اول کے لوگوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں امتیازات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور اپنی انہیں خداداد صلاحیتوں سے انہوں نے حق و باطل کا معرکہ سر کیا۔ وہ اسلامی تاریخ کے اسٹیج پر ایک ممتاز وسیع النظر عالم دین، داعی، مجاہد، ماہر کتاب وسنت اور دین و دنیا کی اجتماعیت کے داعی و حکیم تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑے بڑے عظیم کاموں کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے دین کی خدمت کی اور مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، وہ سیاست میں داخل ہوئے تا کہ وہ دین کو سر بلند کر سکیں، اور غاصب انگریزوں کو ملکی سیاست سے نکال باہر کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو دینی تقاضوں اور حالات کی رعایت کے مطابق تعمیر وطن کی دعوت دی۔

مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنے دائرہ کار میں وسعت پیدا کی اور مسلمانوں کو مخالف اسلام تحریکوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اور اس ملک میں اسلامی سرمایہ کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو ایک مرکز پر ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی۔ یہ راستہ دشوار گزار ہونے کے باوجود حاجی امداد اللہؒ کی ملکی اور دینی کوششوں کی وجہ سے اچھوتا نہیں بچا تھا۔ خود علماء کرام اس منصوبہ میں رنگ بھرنے کے لئے کوشاں اور مسلمانوں کے گم گشتہ ماضی کی بازیافت کے لئے فکر مند تھے اور وہ مسلمانوں کو ان کی سابقہ عزت وشوکت اور قوت دفاع کا تحفہ عطا کرنا چاہتے تھے اور ان کی گم شدہ متاع ان کے سپرد کر دینے کے خواہشمند تھے

حضرت نانوتوی ۱۲۴۸ھ میں ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہونچتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچپن ہی سے ذکاوت وذہانت کے جوہر سے نوازا تھا اس لئے کم عمری میں عام بچوں سے جداگانہ ان کی شناخت تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا جس میں انہیں علم وروحانیت اور علم وعلماء کی قیادت کی بشارت دی گئی تھی۔

دیوبند اور سہارنپور کے بعض اساتذہ سے انہوں نے قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر دہلی جاکر اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کی اور شاہ عبدالغنی سے حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں، اس کے بعد تلاش معاش کے لئے متعدد جگہ ملازمت کی لیکن ان کی خودداری انہیں کسی بڑے کام اور شایان شان عمل کے لئے آمادہ کرتی رہی، پھر ایک مختصر مدت تک درس وتدریس کے کام میں بھی مشغول رہے لیکن ان کے مزاج اور شخصیت کی گمشدہ متاع اب بھی ہاتھ نہیں آئی۔

طالب علمی کے دوران ہی حاجی امداداللہ مہاجر مکی سے ان کا رابطہ قائم ہوا۔ اور حاجی صاحب کے ارشادوتربیت کی صلاحیت اور روحانی مرتبہ کی وجہ سے انہوں نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی اور ان کو اپنا روحانی راہ نما بنالیا۔ انہوں نے حاجی صاحب سے دین خداوندی کی نصرت وخدمت کے نام پر بیعت کی اور اس کے لئے سخت ترین مجاہدے کئے یہاں تک کہ عبادت، ذکر اور مراقبہ کے علاوہ ہر تمنا ان کے دل سے رخصت ہوگئی۔ اور انہوں نے اپنی دیرینہ متاع حاصل کرلی۔

اس طرح بہت کم مدت میں وہ مسند ارشاد پر فائز ہوگئے اور لوگوں کے مرکز عقیدت بن گئے۔ انہوں نے عقل وذہن پر مسلط ہونے والے باطل رجحانات کا اپنی قوتِ ایمانی اور وسیع علم کے ذریعہ مقابلہ کیا۔ اور اس وقت کے مسلم معاشرہ کے بدترین حالات کے خلاف کھل کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ انگریز فولاد وآہن اور تلوار کے سہارے پوری مسلم قوم کو شکار کرلینا چاہتے ہیں اور انہوں نے عیسائی مبلغین اور داعیوں کا پورا جال بچھا رکھا ہے اس طرح وہ اپنی تدبیر اور مکروفریب سے مسلمانوں میں اسلام سے بدظنی اور عیسائیت کی ترویج کرنا چاہتے ہیں۔ اس خطرہ کا احساس سب سے پہلے علماء کرام نے کیا جن کے سرخیل حاجی امداداللہ مہاجر مکی تھے اس لئے انہوں نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے جدوجہد شروع کردی۔

انگریزوں نے دیکھا کہ ان کی عیسائیت کی تبلیغ میں سب سے بڑی رکاوٹ

یہی علماء ہیں جو مسلمانوں کے دینی قائد ہیں اور اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے سد راہ بنے ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنی جدوجہد کی رفتار اور بڑھادی اور اسلامی تشخص کے خاتمہ، اس کی عظمت کو دلوں سے نکالنے اور مسلمانوں کے عقائد و مسلمات کو متزلزل کرنے اور مغرب کی مادی تہذیب کی چمک دمک سے ان کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کردیں۔

انگریزوں کو یقین تھا کہ ہندوستان میں ان کی حکومت کی پائیداری اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمان راسخ العقیدہ اور اپنے دینی شعائر پر قائم رہیں گے۔ اس لئے انہوں نے اسلام کے عالیشان محل کو زمین بوس کرنے اور مسلمانوں کا ان کے شاندار ورثہ سے رشتہ کاٹنے، اور عالمی قیادت کے اسٹیج پر ان کی قائدانہ حیثیت کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

انگریزی سلطنت نے عیسائیت کے پیغام کو پھیلانے کے لئے ہر قسم کے مکر وفریب سے کام لیا۔ اور اگر علماء کرام کی مخلصانہ جدوجہد ان کا راستہ نہ روک دیتی اور وہ ان کے عزائم کے لئے سدراہ نہ بن جاتی تو مسلمان اپنے دینی جذبات، اسلامی بیداری، اور اپنی قوت کے سرچشمہ سے محروم اور بےگانہ ہوجاتے۔

انگریزی سامراج نے مسلمانوں کے اندر مغربی تعلیم کے فروغ، اور ان کو اسلام سے عیسائیت کی طرف لانے کے لئے عیسائی مبلغین کی ایک بڑی تعداد کا جال شہر در شہر اور قریہ قریہ بچھادیا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے لالچ اور خوف کے تمام حربے اور ہر قسم کی سیاسی قوت استعمال کی۔

لیکن مسلمان غیرت مند علماء نے انگریزی سیاست کے یہ تمام حربے پوری شدت کے ساتھ مکڑی کی جالوں کی طرح توڑ ڈالے ان کے قائد حضرت نانوتوی تھے، وہ جس بستی یا گاؤں کے بارے میں سنتے کہ عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے وہاں خیمہ زن ہیں۔ تو حضرت نانوتوی وہاں پہونچ جاتے عوام کے بھرے مجمع میں ان سے مناظرہ

کرتے۔ اور طاقت اور دلائل و براہین کے ذریعہ ان کا منہ بند کردیتے۔ اور ان کو میدان چھوڑنے پر مجبور کردیتے۔

حضرت نانوتوی کی عیسائیت کی تردید کی کوششیں مسلسل جاری رہیں اس لئے انگریز اپنی کامیابی سے بدگمان ہونے لگے، اور وہ عیسائیت کی تبلیغ سے مایوس ہوتے گئے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اس ملک کی مٹی عیسائیت کے اس بیج کے لئے سازگار نہیں ہے جسے انہوں نے اس ملک میں بویا ہے اور یہ بیج کبھی بار آور اور ثمردار نہیں بن سکتا۔ اس سلسلہ میں خود انگریزوں نے حضرت نانوتوی کی برتری، ان کی وسعتِ نظر اور کثرت علم کا اعتراف کیا۔ اور برملا یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

> "بہت سے علماء اسلام سے ہماری ملاقات ہوئی ہے۔ ہم نے ان کی گفتگو بھی سنی ہے اور ان سے بحث و مباحثہ بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت نانوتوی کی شخصیت میں جو چیز جلوہ گر دیکھی وہ دوسرے علماء کے یہاں کہیں نہیں دیکھی"۔

مولانا محمد قاسم نے صرف اتنا نہیں کیا کہ انہوں نے اسلام کے خلاف پھیلائے گئے عیسائی مبلغین کے اعتراضات کے جواب دئے، اور عیسائیت کی باطل چیزیں واشگاف کیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آریہ سماجیوں سے بڑے تاریخ ساز مناظرے کئے، اور ہر بار آریہ سماجی شکست کا منہ دیکھ کر اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ آریہ سماجیوں کو یہ خوف ہونے لگا کہ جھوٹے پروپیگنڈہ کے سبب کہیں مجمع کے سامنے خود ان کی رسوائی نہ ہو جائے اور بجائے اس کے کہ مسلمان ان کے مذہب کے حلقہ بگوش ہوں، کہیں خود ان کی اپنی تعداد نہ گھٹ جائے۔ مولانا نانوتوی کا آریہ سماجیوں کے اس نئے حملہ کو دبانے کے سلسلہ میں بڑا اہم کارنامہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں دلوں کو متاثر کرنے والے ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ خصوصاً پنڈت دیانند سرسوتی کے ساتھ رڑکی میں ہونے والا ان کا تاریخی مناظرہ بڑی شہرت کا حامل ہے۔ یہ مناظرہ پنڈت دیانند کی شکست اور ان کی رسوائی اور جگ ہنسائی میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

انگریزی حکومت کے خلاف انقلاب ۱۸۵۷ء اور جنگ آزادی کی قیادت میں پیش پیش ہمارے علماء ہی تھے وہ انگریزی استعمار کے پنجہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس طرح کے انقلاب کو واحد ذریعہ سمجھتے تھے اس لئے تحریک آزادی کی یہ آگ پورے ملک میں پھیل گئی اور تمام مسلمان اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کا سال، انگریزی سلطنت کے خلاف عمومی بغاوت سے شروع ہوا اور عام مسلمان اور علماء اسلام ان کے خلاف ایک عمومی جنگ لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خود حضرت نانوتوی تھانہ بھون اور شاملی کی مسلمان فوجوں کے قائد تھے یہاں انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی اور اس موقع پر ایسے خوبصورت کارنامے انجام دیئے جو اس ملک کی تاریخ میں سنہرے حروف سے رقم ہیں۔

بعض افسوسناک وجوہات کی بنا پر ۱۸۵۷ء کا یہ انقلاب جب ناکامی پر ختم ہوا تو انگریزوں نے طرح طرح سے پوری مسلمان قوم سے اس کا انتقام لیا اب انہوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے اور مادیت کی تعلیم کے ذریعہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے، اور ان کے درمیان مغربی اور یورپی تہذیب پھیلانے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ اس نئے حربہ سے اندرونِ خانہ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلم قوم کو ایک ایسی قوم بنانے کی کوشش کی جن کی صورتیں ہندوستانی ہوں لیکن ان کے ذہن و دماغ مغرب میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ اس کے لئے انہوں نے تمام گمراہ کن ذرائع استعمال کئے اور ان کے شیرازہ کو منتشر کرنے اور ان کو جماعتوں میں بانٹ دینے کی کوشش کی۔

اب مسلمانوں کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ انگریزی فوج میں شامل ہو جائیں یا کوئی ایسا راستہ تلاش کریں جس سے وہ اپنے دین پر قائم رہ سکیں اور ان کی خبیث چالوں سے محفوظ رہیں۔ اس کے لئے علماء اسلام خصوصاً حضرت نانوتوی نے دینی تعلیم کی اشاعت، اور اسلامی تہذیب کی ترویج کے لئے عمومی جدوجہد شروع کی اور یہ تسلیم کیا کہ انگریزی سامراج کے مقابلہ کے لئے یہی ایک طاقتور ہتھیار ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دیوبند میں ایک بڑے مدرسہ کے قیام کا

منصوبہ بنایا جو مسلمانوں کی دینی پناہ گاہ اور رشد وہدایت کا مرکز ہو۔انہوں نے دیو بند کی ایک جامع مسجد کے کنارے ایک مدرسہ کی ابتدا کی جو دیو بند کے عظیم جامعہ کی خشتِ اول تھی۔ یہ ادارہ اخلاص وایمان کی بنیاد پر قائم ہوا تھا رفتہ رفتہ اس کے دائرہ کار اور اس کی خدمات میں اضافہ ہوتا رہا اور اس وقت سے آج تک یہ ادارہ مسلمانوں کی دینی اور فکری رہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

مدرسہ دیو بند کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کے اندر صحیح دینی فکر اور دینی عقائد ومسلمات کی حفاظت اور اسلام کے راستہ میں جاں سپاری کے جذبات پیدا کرنا ہے۔ اس ادارہ سے بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ پیدا ہوئے جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا اور تحریک آزادی کی قیادت کی۔ اور وہ آج تک ملک کے مفادات کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے دینی مستقبل کی تعمیر نو کے لئے حضرت نانوتوی کے بے شمار کارنامے اور احسانات ہیں جنہیں ایک لمحہ کے لئے بھی بھلا دینا ممکن نہیں یہ انہیں کی ذات تھی جس نے مسلمانوں کے دینی مستقبل کی حفاظت کے راستے کھولے، اور ذہن وفکر کے دریچے روشن کئے، اور مسلمانوں کو سامراج کی غلامی سے نکالا۔ ہندوستان میں اسلام اور ایمان کے سرمایہ کی حفاظت میں ان کے عظیم ترین کارناموں اور دیرینہ خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے۔

متعدد نامور لافانی تصنیفات بھی حضرت نانوتوی نے یادگار چھوڑیں جن سے ان کی علمی وسعت اور فکری گہرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ان میں تقریر دل پذیر، آبِ حیات، انتصار الاسلام اور تحذیر الناس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اس قاسم العلوم اور مجاہد شخصیت نے جمعرات کے دن ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کو وفات پائی اور دیو بند میں مدفون ہوئے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۱۲۲۴ھ.....۱۳۰۹ھ)

یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ میں عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں کچھ تحریر کروں۔

وہ بزرگ عالم جن کے کارناموں کو ہندوستان میں خلعت دوام کی سند حاصل ہے اور جس نے مسلمانوں کی نسل در نسل حفاظت کا فریضہ انجام دیا اور اپنے چاروں طرف علم وعمل اور خدمت وجہاد کے چلتے پھرتے نمونے قائم کردئے۔

وہ مجاہد عالم جس نے دین کی ایسے وقت خدمت کی اور جہاد کا آوازہ اس حالت میں بلند کیا جب ملک کی پوری فضا دھماکہ خیز تھی اور حق گوئی کو ایک جرم تصور کیا جاتا تھا۔

تاریخ ہند کا وہ عظیم ہیرو جو ہر آزمائش میں بے خطر کود پڑتا اور قوت کی کمی اور ضعف واضمحلال کے باوجود ہر مصیبت کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا، ہر خطرہ اور آزمائش کا مقابلہ کرتا اور ایک طرف حالات زمانہ اور افراد خانہ کی اصلاح کا فرض ادا کرتا تو دوسری طرف باطل رجحانات اور ملکی حکومت کا رخ پھیر دیتا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی زندگی محض ایک عظیم عالم اور روحانی پیشوا کی زندگی نہ تھی بلکہ ہر چیز سے پہلے وہ میدان جنگ کے ایک مجاہد کی زندگی تھی۔ وہ حق کی فتح

مندی، دین اور وطن کی حفاظت اور اپنی گم گشتہ عزت و شرافت کے حصول کے لئے دشمن سے برسر پیکار رہے۔ جب کہ دشمن ایسا شاطر تھا جس نے آزادی و حریت سے کھلواڑ جاری رکھنے والے ہندوستانیوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے اور ملکی زمین پر اپنا تسلط باقی رکھنے کے لئے ان کے نوجوانوں کو اپنا اسیر بنالیا تھا اور موت ان کے سروں پر رقص کرتی رہتی تھی۔

وہ بہت جلیل القدر، عظیم المرتبت اور بلند منزلت عالم دین تھے، وفور علم، کثرت معلومات اور وسعتِ نظر میں ان کے عہد میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا ان کی عظیم ترین علمی خدمات اور بلند کارناموں کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکے گا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ۱۲۴۶ھ میں معرکہ بالاکوٹ سے دوسال قبل سہارنپور سے ۱۶ میل دور گنگوہ کے تاریخی شہر میں پیدا ہوئے یہ بستی قدیم زمانے سے بڑے بڑے عارفین وصالحین اور تاریخی ساز شخصیات کا وطن رہی ہے ان کا سلسلہ نسب سیدنا ابو ایوب انصاریؓ سے جاملتا ہے، وہ سات سال کے تھے جب ان کے والد کا انتقال ہوگیا اس لئے ان کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے دادا شیخ پیر بخش پر آپڑی اور والدۂ محترمہ نے اپنے کم سن بچے کی نگہداشت اور تعلیم پر خاص محنت کی وہ بچپن ہی سے ذکی الحس اور نیک وصالح تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تعلیم کے لئے رام پور کا سفر کیا اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد بخش رامپوری سے اخذ کیں۔

سترہ سال کی عمر میں دہلی کا سفر کیا اور وہاں کے بڑے اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی کے پاس طلب علم میں مشغول ہوگئے۔ اللہ کی توفیق ہوئی کہ مرحوم دلی کالج، میں تعلیم کے دوران ہی انہیں ایک مخلص وفا شعار دوست اور بھائی میسر آگئے اور حصول علم اور باہمی تبادلہ خیال میں وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن گئے یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذات گرامی تھی، دہلی کے علمی حلقوں میں یہ دونوں ہی دوست اپنی ذکاوت وذہانت اور اپنی علمی صلاحیتوں کے باعث خاصے مشہور اور ضرب المثل بن گئے تھے۔

حدیث شریف کا فن انہوں نے شاہ عبدالغنی مجددی سے حاصل کیا اور اپنی ذاتی جدوجہد اور ذوق مطالعہ کے باعث اس فن میں کامل دستگاہ حاصل کرلی۔ اور حدیث کے ایک ممتاز صاحبِ نظر محقق عالم دین کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد طالب علموں نے ان کی طرف رجوع کیا۔ یہاں تک کہ یہ فخر وسعادت کی بات سمجھی جانے لگی کہ کوئی شخص ان سے حدیث کا علم حاصل کرے اور ان کے حلقہ درس میں شریک ہوجائے۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد حضرت گنگوہی کے سر میں اصلاح باطن کا سودا سمایا اور وہ تزکیۂ قلب اور تقرب الی اللہ کے حصول کے لئے فکرمند ہوئے، اس خواہش اور فکر نے انہیں بے چین کردیا اور اس کے بغیر زندگی دشوار اور ناقابل اعتبار محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شیخ و مرشد کی جستجو شروع کردی اور اس فکر میں سرگرداں رہنے لگے۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں پہونچا دیا۔ حضرت گنگوہی نے حاجی صاحب کے سامنے اپنے شوق طلب کا اظہار کیا اور ایمان ویقین اور نصرتِ دین کے نام پر بیعت کی درخواست کی۔ حاجی صاحب نے ان کی بلند علمی منزلت کا لحاظ کر کے ابتداءً بیعت کرنے سے انکار کردیا۔ لیکن بعد میں حضرت گنگوہی کے پیہم اصرار اور حافظ ضامن صاحب کی سفارش پر انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمالیا۔

بیعت ہونے کے بعد حضرت گنگوھی خانقاہ ہی کے ایک گوشہ میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوگئے اور سلوک کی منزلیں طے کرنی شروع کردیں۔ چند ہی دنوں میں ان کی حالت بدل گئی، اور حاجی صاحب کی نگرانی میں تقریباً چالیس دنوں کے اندر سلوک ومعرفت اور تعلقِ مع اللہ کے بلند مقام پر فائز ہوگئے اور خانقاہ تھانہ بھون سے خلافت واجازت سے سرفراز ہوکر اپنے وطن روانہ ہوئے۔ چلتے وقت حاجی صاحب نے ان سے فرمایا:

اگر کوئی تم سے بیعت ہونا چاہے تو انکار مت کرنا۔

حضرت گنگوہی اپنے وطن پہونچے اب وہ زہد وتقویٰ کی عظیم نعمت سے مالا مال تھے اس نعمت کے حصول کے لئے لوگوں کو برسوں کے طویل مجاہدات اور ریاض کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ انہیں یہ نعمت عظمیٰ صرف ڈیڑھ مہینے کی قلیل مدت میں حاصل ہوگئی۔ ذلك فضل الله يو تيه من يشاء

حضرت گنگوہی اپنے اوقات کا اکثر حصہ ذکر ومراقبہ، اور عبادت وتلاوت میں بسر کرنے لگے۔ اس طرح بستی کی پوری فضا پر توبہ وانابت اور خشوع وخضوع کی کیفیت طاری ہونے لگی اور رفتہ رفتہ منکرات کی آواز مدھم پڑ گئی۔ اور لوگوں کے اندر اپنی اصلاح کا جذبہ بیدار ہونے لگا۔ حضرت گنگوہی نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے حالات کی اصلاح شروع کر دی اللہ تعالیٰ نے اس کے بہترین نتائج پیدا کئے اور ان پر عزت وسعادت کے دروازے کھول دئے۔

اپنے معاشی مسائل کی کفالت کے لئے حضرت نے مطب کا سلسلہ شروع فرمایا اور مریضوں کا علاج کرنے لگے، ان کے ہاتھ میں شفا تھی اس لئے اس کے بہت اچھے نتائج نکلے انہوں نے بڑا آسان اور زود اثر طریقۂ علاج اختیار فرمایا۔ وہ اپنے مریضوں کو یا تو سستی دوائیں دیتے یا دیہات میں بلا خرچ مل جانے والی دواؤں کی نشاندہی فرماتے، ساتھ ہی وہ دوائیں زود اثر بھی ہوتی تھیں۔

اصلاح معاشرہ کا میدان بھی ان کی جدوجہد سے خالی نہ رہا انہوں نے معاشرہ سے برائیوں کو ختم کرنے کی جدوجہد کی۔ اور راہِ حق کی نشاندہی فرمائی۔ نہ جانے کتنے لوگ ان کے انفاس کی گرمی اور رہنمائی سے جادۂ حق پر مستقیم ہو گئے اور اپنا مقصد زندگی حاصل کر لیا۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ کامیابی کا دارومدار عمل اور نیت پر ہے اگر عمل صالح ہے، اور نیت میں اخلاص ہے، تو کامیابی یقینی ہے۔ اور انسان خود اپنے اعمال کے اعتبار سے اجر یا سزا کا مستحق بنتا ہے کیونکہ اچھے اور برے راستہ کا انتخاب وہ خود کرتا ہے اور یہی عمل اسے

جنت میں لے جاتا ہے۔ یا دوزخ میں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حضرت گنگوہی اسی طرح فساد و بگاڑ کی اصلاح، اور حق وعدالت کے غلبہ کے لئے کوشاں رہے وہ جہاں بھی کوئی منکر دیکھتے غضب ناک ہو جاتے اور طاقت کے ساتھ اس کو روکتے، وہ اس سلسلہ میں اس فرمانِ رسالت پر عامل تھے:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك اضعف الايمان۔

ترجمہ: ''اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی بری بات دیکھے، تو اپنے ہاتھ سے اس کو تبدیل کردے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے''۔

انہوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں بھی قائدانہ شرکت کی اور حق کی نصرت اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ذلت وغلامی سے بچانے کے لئے انگریزوں سے جہاد کیا۔

جب انقلاب کی آندھی تھمی اور اہل وطن انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنے میں ناکام ہوگئے تو انگریزی گورنمنٹ نے باغیوں کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کردئے تاکہ انہیں برسر عام گولی ماردی جائے یا سولی دیدی جائے اور انہیں جلاوطن کردیا جائے یا دائمی طور پر قید کردیا جائے۔ چونکہ حضرت گنگوہی، حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت مولانا محمد قاسم انگریزوں کے خلاف انقلاب اور تحریک جہاد کے سرگرم قائدین میں تھے اس لئے فطری طور پر یہ لوگ انگریزی حکومت کے عتاب کا خاص نشانہ تھے اور پولیس کے لوگ ان کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔

حکومت نے ان حضرات کی گرفتاری کرانے، یا ان کی نشاندہی کرنے والے کے لئے ایک بڑی رقم بطور انعام دینے کا اعلان کردیا۔ بالآخر پولیس حضرت گنگوہی کو گرفتار

کرنے میں کامیاب ہوگئی اور انہیں نظر بند کر دیا گیا۔ حکومت نے انہیں سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا دشمن محسوس کیا اور ان پر سخت مقدمہ چلایا۔ ایک بار انگریز حاکم نے مولانا سے کہا: آپ ملک میں فساد پھیلاتے ہیں اور فسادیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا: تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نہ تو فسادی ہوں اور نہ فسادیوں کا ساتھ دیتا ہوں۔ انگریز نے پھر کہا: تمہارے پاس اسلحہ ہے تم اسے حکومت کے خلاف استعمال کرتے ہو، حضرت نے اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ میرا اسلحہ ہے۔

حضرت گنگوہی قید و بند کی مشقتیں جھیلتے رہے اور ایک قید خانہ سے دوسرے قید خانہ میں منتقل ہوتے رہے۔ حکومت نے تفتیشی کاروائی میں بہت سر مارا لیکن وہ حضرت کے خلاف فرد جرم ثابت کرنے میں ناکام رہی اس لئے مجبوراً ان کو رہائی دیدی۔ اس طرح حضرت گنگوہی دشمنوں کے قبضہ سے باعزت بری کردئے گئے جیل کے باہر لوگوں نے جوش و خروش کے ساتھ حضرت کا استقبال کیا اس سے ان کی عظمت کو مزید چار چاند لگ گئے۔ اور لوگوں نے انہیں خیر و صلاح کا داعی اور مسلمانوں کا قائد و راہ نما تسلیم کرلیا۔

حضرت گنگوہی نے قید خانہ میں اسوۂ یوسفی کی اتباع کی سعادت بھی حاصل کی۔ قیدیوں کی بڑی جماعت آپ کے ذریعہ فیضیاب ہوئی اور ان میں اخلاص عمل اور یمان باللہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جیل سے باہر آنے کے بعد لوگوں کا رجوع بہت بڑھ گیا اور ہ جوق در جوق ان کے دست حق پرست پر بیعت ہونے لگے اور راہ خدا میں مر مٹنے کا جذبہ یدا کرنے لگے۔ لوگوں کی عمومی توجہ دیکھ کر آپ نے دعوت و تعلیم کی راہ سے ان کی وسیع .بنیادوں پر اصلاح و تربیت کا کام کیا اس دوران انہوں نے مدرسہ دیو بند کی سرپرستی بھی ول فرمالی اس طرح بہت سے دینی علوم کے فارغین یہاں حاضر ہوتے اور قرآن وسنت کا بس لیتے۔ حضرت گنگوہی بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لئے مسلسل افراد سازی رتے رہے یہاں تک کہ ایسے افراد کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو علم و دین اور جہاد و اصلاح ا اجتماعیت پر کاربند تھی، اور مدرسہ دیو بند ایک چھاؤنی بن گیا تھا جہاں سے علماء عارفین اور

مصلحین ومجاہدین تیار ہوکر نکلتے تھے۔

علم ودین اور اخلاص وتواضع میں حضرت گنگوہی کا پایہ بہت بلند تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی جو بہت سے علماء اولیاء اللہ کو بھی میسر نہیں ہوتی۔ ان کے درس میں تاثیر تھی اور وقت میں بے مثال برکت بھی۔ تقوی اور ایمانی صفات سے عاری ایک آدمی ان کے دربار میں حاضر ہوتا اور طاقتور ایمانی کیفیات لیکر واپس لوٹتا۔ ان کے بلند مرتبہ کا خود ان کے پیر ومرشد حاجی امداداللہ صاحب کو بھی اعتراف تھا۔ منقول ہے کہ حاجی صاحب نے ان کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو بھیجا جس نے حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر تصوف وسلوک کی منزلیں طے کی تھیں اور بہت سے مجاہدے کئے تھے لیکن اس کی مراد حاصل نہیں ہورہی تھی۔ حاجی صاحب نے حضرت گنگوہی کو تحریر فرمایا کہ ان صاحب نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، میرے پاس ایک مدت تک ریاضت ومجاہدات بھی کئے ہیں لیکن ان کو نفع نہیں ہوسکا۔ مجھے ان کی کسی کمزوری کا بھی علم نہیں ہے۔ اب میں انہیں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں ممکن ہے ان کو آپ سے نفع ہو۔

وہ آدمی حاضر ہوا حضرت نے اس سے اس کا مشغلہ دریافت فرمایا، اس نے بتایا کہ درس وتدریس کا کام کرتا ہوں۔ حضرت گنگوہی نے اپنی فراست ایمانی سے اس کی کمزوری بھانپ لی اور حکم دیا کہ تدریس کا مشغلہ روک کر صرف ذکر واذکار اور مراقبہ میں مشغول ہوجاؤ۔ آدمی نے اس پر عمل کیا اور جلد ہی اس کے حالات تبدیل ہوگئے اور اسے منزل مقصود تک رسائی حاصل ہوگئی۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب حضرت گنگوہی کے بلند مرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں سے کہا کرتا ہوں کہ مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب علوم ظاہر اور باطن میں مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں کو مجھ سے افضل جانو۔

حقیقت میں یہ دونوں حضرات ارشاد وہدایت میں میری ہی جگہ ہیں۔ لوگوں

کو چاہئے کہ ان کے وجود کو غنیمت سمجھیں کیونکہ ایسے لوگ اس دور میں مفقود ہیں۔

حاجی صاحب نے ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے میرے اعمال کے بارے میں پوچھے گا تو میں مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم کو پیش کر دوں گا۔

ایک مرتبہ فرمایا:

لوگوں کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ پیرومرشد بنانے کے لئے مولانا رشید احمد صاحب کافی ہیں۔

ایک آدمی حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ حکومت نے میرے بھائی کو پکڑ لیا ہے اور تین لاکھ روپے مالی جرمانہ عائد کیا ہے۔ اس نے حضرت سے دعا کی درخواست کی، مولانا نے فرمایا مولانا رشید احمد صاحب کے پاس جاؤ اور ان سے اپنے بھائی کے لئے دعا کرواؤ، ان کی رہائی انہیں کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور اس دنیا کے تمام اولیاء مل کر بھی اگر دعا کریں گے تو حضرت گنگوہی جیسا نفع نہیں ہوگا، وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں، وہ آدمی حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کی دعا قبول فرمائی اور ان کا بھائی رہا کر دیا گیا۔

مولانا فضل رحمٰن صاحب نے ایک اور موقع پر فرمایا۔ تم لوگ مجھ سے مولانا گنگوہی کے بارے میں پوچھتے ہو۔ ان کے اندر تو علم و معرفت کا سمندر موج زن ہے۔

حضرت گنگوہی کبھی درس و تدریس کے واسطہ سے اور کبھی اصلاح و تربیت کے واسطہ سے دعوت کے کام میں منہمک رہے۔ اور اس راہ میں اپنی تمام تر خداداد صلاحیتیں وقف کر دیں۔ علمی اور عملی میدان میں ان کی بلندی کا بڑے بڑے علماء نے اعتراف کیا اور یہ ان کے اخلاص اور تعلق مع اللہ کی حرارت تھی جس نے انہیں علم و معرفت کے اس بلند مقام تک پہونچایا۔

حضرت گنگوہی نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے تین مرتبہ حجاز مقدس کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اور مناسک حج کی ادائیگی کے بعد ہندوستان لوٹ آئے۔ لیکن ان اسفار میں وہ اپنے ساتھ حرمین شریفین سے دینی جذبات، تعلق مع اللہ، اور عشقِ رسولؐ کی ایسی سوغات لیکر آئے جس کی زندگی بھر انہوں نے اتباع کی، اور جس کی حرارت اور گرمی سے اپنی زندگی کو سرگرم سفر رکھا، انہوں نے اپنی پوری زندگی تعلیمات نبوی کی اشاعت اور حدیث شریف کے درس وتدریس میں وقف کردی۔ اور آخری وقت تک صحاح ستہ کی تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں بہت سے علماء اور محدثین ہوئے جنہوں نے ہندو بیرون ہند میں حدیث نبوی کی خدمت کو اور اس فن شریف میں مہارت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

آخری عمر میں انہوں نے ایک زمانہ تک حرم نبویؐ میں حدیث شریف کا درس دیا۔ اور پھر عمر کے ۷۸ سال ۷ مہینے ۳ دن گزار کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور گنگوہ میں دفن ہوئے۔

رحمه الله رحمة واسعة

صاف گوئی: حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بھائی جو کچھ میرے پاس ہے دوستوں کے سامنے پیش کر دیتا ہوں، اگر کسی کو اس سے زائد کی ضرورت اور طلب ہو تو کہیں اور سے حاصل کرلیا جاوے۔ میں اپنا بندہ نہیں بناتا ہوں، خدا کا بندہ بناتا ہوں۔ اگر کوئی چیز یہاں سے حاصل نہ ہو کہیں اور سے سہی، کام ہونا چاہئے۔ (حکیم الامتؒ)

فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ کی زبان پر یہ لفظ بہت آیا کرتا تھا کہ جمعیت قلب کا اہتمام کرنا چاہئے، حضرت کو ہر بات میں اسکا بہت اہتمام رہتا تھا کہ قلب کی جمعیت فوت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت کو تعلقات سے بہت نفرت تھی اور صوفیاء کے اقوال واحوال میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا ہونے کیلئے جمعیت قلب بہت ہی ضروری ہے۔ (حکیم الامتؒ)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

(۱۲۴۹ھ.....۱۳۰۲ھ)

زیر نظر تحریر میں ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ مقصود ہے جو علم وذہانت اور تقویٰ وطہارت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہم پلہ تھی، اور اس ملک کے دگرگوں حالات کے مقابلہ اور دینی رہنمائی کے میدان میں ان کی معاصر تھی۔ ایسی شخصیت جسے دینی بصیرت اور علمی وسعتِ نظر کے ساتھ ساتھ روحانی تعلق اور معرفت کا وافر حصہ ملا تھا۔ وہ شخصیت جسے دیوبند کے عظیم مدرسہ میں سب سے پہلے صدر مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اس نے طلبۂ علوم کی دینی رہنمائی کی اور مدرسہ کے دائرہ میں وسعت دی۔ اور ایسے بڑے بڑے فضلا اور کاملین پیدا کئے جنہوں نے آگے چل کر علم ودین کے میدان میں پورے ملک کی قیادت کی۔

یہ شخصیت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تھی جن کا مولانا محمد قاسم نانوتوی سے خاندانی اور قرابت داری کا تعلق تھا۔ وہ علم وفضل میں بھی ان کے ہم پلہ تھے اور عمر اور شہرت اور بہت سے خصائص وامتیازات بھی ان کے مشابہ تھے۔ ۱۳ر صفر ۱۲۴۹ھ کو ان کا تولد ہوا۔ ان کے والد مولانا مملوک علی نانوتوی اپنے زمانہ کے ممتاز عالم تھے۔ یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے استاذ اور مربی تھے اور بڑے اساتذہ اور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے بیشمار طلباء کو درس دیا اور جہالت کی گھنگھور تاریکیاں روشن کیں۔

مولانا محمد یعقوب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں رہ کر اپنے والد کے پاس

حاصل کی اور متعدد دینی علوم کا درس لیا۔ ان کی عمر جب دس سال کی ہوئی تو ان کے والد مولانا مملوک علی دہلی کے قدیم عربی مدرسہ مرحوم دلی کالج میں صدر مدرس مقرر ہو گئے اور اس مناسبت سے مولانا یعقوب صاحب نے موقع غنیمت جانا اور انھوں نے طلب علم کے لئے دہلی کا قصد کیا۔

مولانا محمد یعقوب نے اپنے والد کے ساتھ اور مولانا محمد قاسم صاحب کی معیت میں دہلی کا سفر کیا اور مولانا مملوک علی صاحب کی نگرانی میں تعلیم شروع کی۔ مولانا نے اپنے دونوں شاگردوں پہ پوری توجہ صرف کی اور قلیل مدت میں ان دونوں ہی حضرات کا جوہر علم چمکنے لگا اور درسی صلاحیت پختہ ہوگئی۔

حدیث شریف کا فن مولانا عبدالغنی مجددی کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا۔ اور فن حدیث کا ذوق پیدا کرلیا اور اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کی وجہ سے اس کو ایک فن کی طرح باقاعدہ حاصل کیا۔ فن حدیث کے اس خصوصی شغف کے باعث وہ دینی علوم کے ممتاز عالم اور دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ جہاں حدیث کا یہ معزز فن دوسرے تمام اداروں سے زیادہ اہمیت کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

تدریس کتب میں انہیں جس قدر انہماک تھا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انکے لئے کسی کتاب کو ایک بار پکڑ لینے کے بعد اس کو چھوڑ دینا مشکل تھا وہ اپنے بے پناہ ملکہ اور نادر ذہانت کی وجہ سے اس کی گہرائیوں میں اتر جاتے اور اس کی پیچیدگیوں پر قابو پالیتے۔ ان کی شخصیت میں علوم عقلیہ اور نقلیہ کا نادر اجتماع تھا اس سے ان کو دینی حقائق اور دقیق علوم سمجھنے میں مدد ملتی تھی۔ وہ مشکل ترین مسائل کو بغیر کسی دشواری کے حل کر لیتے تھے اور معترضین اور سائلین کو تشفی بخش جوابات سے نوازتے تھے۔

سب سے پہلے تیس روپئے ماہوار پر اجمیر میں ایک مدرسہ میں تدریس کا کام کیا اور ایک مدت تک اس منصب پر فائز رہے۔ پھر مدرسہ کے مہتمم نے ان کو شہر اجمیر کا

نائب حاکم بنانے کی پیشکش کی لیکن مولانا نے انکار کر دیا۔ اسکے بعد انہیں محکمۂ تعلیم میں انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا گیا اور ۱۵۰ روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی اس دوران ۱۸۵۷ء کا انقلاب پیش آ گیا۔ تو پولیس نے انہیں مولانا محمد قاسم کے شبہ میں گرفتار کر لیا اور جب تک یہ نہ ثابت ہوا کہ یہ مولانا محمد قاسم نہیں ہیں۔ انہیں جیل میں رہنا پڑا۔

دیوبند میں مدرسہ قائم ہونے کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نے انہیں دیوبند بلا لیا اور صدر مدرس بنا دیا۔ وہ مولانا کی طلب پر یہاں تشریف لائے اور حکومت کی بڑی ملازمت پر مدرسہ کی ۲۵ روپے ماہوار کی اس ملازمت کو ترجیح دی۔ اللہ نے ان کے کام میں برکت عطا فرمائی اور انہیں ایسے طلباء نصیب ہوئے جو آگے چل کر دینی علوم کے نابغۂ روزگار علماء اور اسلام کے داعی بنے ان میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا فتح محمد تھانوی، اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بالغ نظر حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان مخلص علماء اور داعیوں کی بڑی جماعت کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج ہند و پاک اور افغانستان اور ایشیائے وسطیٰ میں جتنے دینی مدارس اور علماء کبار ہیں وہ سب مدرسہ دیوبند کا، اور اس کے اولین مشائخ کا بالواسطہ یا بلا واسطہ فیضان ہے۔

علم دین کی خدمت، اصلاح نفوس اور فاسد نظریات کی بیخ کنی کے ان تمام کاموں میں مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شریک کار اور معاون تھے اور انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے تعلیم و تربیت کو وسیلہ بنایا۔

مولانا نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان سے علم باطن حاصل کیا اور سلوک و معرفت اور تعلق مع اللہ کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اور ایسے صاحبِ حال ہوئے کہ لوگوں میں ان کا رعب تھا اور مقبول عند اللہ سمجھے جاتے تھے۔ اور شاید یہی سبب تھا جس کے سبب انہیں بے شمار مکاشفے ہوتے تھے جو اس ملک کی دینی و علمی

تاریخ میں محفوظ ہیں۔

علم حدیث میں ان کا تبحر بہت معروف اور علمی حلقوں میں مسلم ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دیوبند جیسے مدرسہ کے صدر مدرس نہ ہوتے اور شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جیسے لوگ ان کے شاگرد نہ ہوتے۔ اسی کے ساتھ انکا ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور بلند تھا اور برجستہ شاعری پر قدرت تھی اردو، فارسی، اور عربی تینوں زبانوں میں بیک وقت شعر کہہ لیتے تھے۔

ان کی متعدد کتب اور رسائل ان کے ادبی اور لسانی ذوق وشوق کی شہادت دیتے ہیں اور ان کی وسیع معلومات پر دال ہیں۔

دو مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، یہ سفر ایسے زمانے میں کئے جب آج جیسے وسائل سفر موجود نہیں تھے، اور حج کا سفر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بڑی مہم جوئی سمجھا جاتا تھا۔

ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں علوم نبوت کی بے مثال خدمت، علم دین کی جدوجہد اور علماء کرام کی ایک پوری جماعت کی تیاری کے بعد آپ نے اس جہانِ فانی کو الوداع کہا۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

سادگی : مولانا محمد یٰسین الہ آبادی سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے حاجی صاحبؒ میں کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایسا خادمانہ تعلق کرلیا۔ فرمایا اسی وجہ سے تو تعلق کیا کہ وہاں کچھ نہیں دیکھا مطلب یہ تھا کہ کوئی تصنع کی بات نہیں دیکھی تھی۔ خوب ہی جواب دیا واقعی بات تو یہ ہے کہ اپنے بزرگوں میں ایسی باتوں کا نام ونشان نہ تھا۔ بہت ہی سادہ وضع اور متبع سنت تھے۔ دوسروں کی طرح کسی قسم کا ڈھونگ نہ تھا۔ پس یہی طرز ہے قابل پسند۔ (حکیم الامتؒ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۱۲۸۰ھ تا ۱۳۲۶ھ

۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق یکم رمئی ۱۸۶۶ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے زیر اشراف دیوبند کے تعلیمی مرکز (دارالعلوم) کا افتتاح ایک مسجد میں ہوا، پھر وہ ایک عظیم تعلیمی اور تربیتی مرکز بلکہ ایک عظیم دینی قلعہ شمار کیا جانے لگا۔ اس قلعہ کی پناہ لینے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا گیا، اسی کے ساتھ اس کو جنگ آزادی کی قیادت بھی حاصل ہوئی، علماء اور عوام کا اعتماد بحال ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں برٹش سامراج کے خلاف بغاوت کی ناکامی کے نتیجہ میں اور اہل علم کی بڑی تعداد کا خاتمہ ہو جانے کے بعد ہر طرف مایوسی کا دور دورہ تھا۔ دبے کچلے عوام تابعدار غلام بن کر فقر و افلاس کی زندگی گذار رہے تھے، لیڈروں اور رہنماؤں کا صفایا ہو چکا تھا اور انگریز غاصبانہ قبضہ کے رقبہ کو بڑھانے میں اور اہالیان ہند کو خوف زدہ کرنے میں مصروف تھا۔ اخلاقی قدریں زوال پذیر تھیں، مذہبی تعلیمات اپنے بے بسی کا شکوہ کر رہی تھیں، اور قریب تھا کہ عوام الناس اپنے وجود کو بچانے کیلئے "انگریز زندہ باد" "برٹش امپائر زندہ باد" کے نعرہ بلند کرنے لگیں۔ بلکہ واقعہ ہے کہ کچھ ایسی صورتحال پیش بھی آئیں، اور اسلامی وجود مختلف قسم کے سنگین خطروں کا شکار ہو گیا، اسلامی تعلیمات، آسمانی کتاب و شریعت اور پیغمبر اسلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور ان کی سیرت مطہرہ سے ناواقفیت، کتاب وسنت کے احکام و تعلیمات سے انحراف ایک عام بات ہو گئی، اس وقت علماء کی جماعت کے کچھ حساس اور ذمہ دارانہ شعور رکھنے والے حضرات اس صورتحال سے بیحد فکر مند ہوئے اور ہندوستان میں اسلامی اقدار و علوم اور

اسلامی شریعت وتہذیب اور سب سے بڑھ کر عقیدۂ توحید کو بچانے بلکہ صحیح معنوں میں اس کو پھیلانے اور اس کی کمزور جڑوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی کے نتیجہ میں اسلامی درسگاہیں اور مدارس قائم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے اور درسگاہ ولی اللہی کے طرز پر مدارس کا قیام عمل میں آنے لگا۔ ان میں سب سے زیادہ جس مدرسہ کو مقبولیت اور پھیلاؤ حاصل ہوا، وہ دیوبند کا مدرسہ دار العلوم ہے۔

یہی وہ دور تھا جب تھانہ بھون کے ایک طالب علم اشرف علی تھانویؒ نے ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں اس مضبوط قلعہ میں پناہ لی، اور علومِ اسلامیہ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا، اور پانچ سال تک وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے متعارف ہوئے، اور بعد میں اپنے علمی اور دینی فوائد اور معرفت الٰہی کی محنت کے بعد ''حکیم الامت'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس وقت انہوں نے اصلاحِ معاشرہ کے میدان کو افراد کی تربیت کے ذریعہ اپنایا، اور اپنے کمالات عارفانہ سے بگڑے ہوئے معاشرہ میں زندگی کی روح پیدا کر دی، اور ایک عظیم مصلح کی حیثیت سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کا تعارف ہوا، اور لوگ ان سے دینی اور علمی فائدہ حاصل کرنے کیلئے دور دور سے آنے لگے، اور حضرت تھانویؒ کی ذات اقدس سے بیعت و ارشاد کے ذریعہ وابستہ ہونے کا سلسلہ چل پڑا اور ماحول کی سخت مزاجی اور دین کا فہم اور علماء کے آداب کے بارے میں ناواقفیت کا طلسم ٹوٹا اور حضرت تھانویؒ کے مواعظ، ان کی منظم زندگی، اصول پسندی اور اسلامی آداب کو عملی شکل عطا کرنے کا اس میں بہت زیادہ دخل ہے۔

حضرت تھانویؒ کا علمی اور دینی امتیاز

باوجود اسکے کہ حضرت تھانویؒ کے زمانہ میں اہل علم کی بڑی شخصیات موجود تھیں، لیکن محض توفیق الٰہی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو امت کی بیماریوں کو سمجھنے اور ان کی نبض شناسی کا ملکہ عطا فرمایا، وہ معاشرہ کی ان بیماریوں کے ساتھ انفرادی زندگی میں بھی علاج کے فن سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے بلکہ ایک عظیم طبیب حاذق کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ مریضوں کی نفسیات کو پوری طرح سمجھ کر علاج تجویز کرتے تھے، وہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے مزاج سے واقف تھے۔ چنانچہ ''بہشتی زیور'' کی عظیم الشان تصنیف میں آپ نے ہر طبقہ کے فائدے اور اس کی اصلاح کیلئے نہایت قیمتی مواد جمع کر دیا ہے، اس میں عورتوں، بچوں، مردوں اور ہر سطح کے لوگوں کیلئے ایسے مضامین، فوائد اور مواد جمع کر دئے گئے ہیں، جو ہر اعتبار سے ایک تربیتی مدرسہ کہے جانے کے قابل ہے۔ لڑکیوں کی دینی اور دنیوی تعلیم و معلومات کیلئے اس کتاب کے مضامین میں معانی اور مفاہیم کا ایک سمندر موجزن ہے، اس کو پڑھ کر عورتوں کے طبقے میں تعلیم کی کمی کا احساس ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اس کتاب کی حیثیت ایک تربیت گاہ کے برابر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

بہشتی زیور کی خصوصیات

یہ کتاب نہ صرف عورتوں کیلئے ایک موسوعۃ (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ اس کے مضامین، اس کے ابواب و فصول اور اس کا اسلوبِ بیان اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس سے اہل علم اور عوام و خواص سبھی ایک اسلامی

زندگی کی تشکیل وتشریح میں مستقل طور سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس سے اپنے علم ومعلومات میں بیش قیمت اضافہ کر سکتے ہیں، صرف اسی ایک کتاب سے حضرت تھانویؒ کے تبحر علمی اور فراست ایمانی کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، خاص طور سے جبکہ یہ کتاب اپنی اصلاحی اور تربیتی زندگی کی ابتدائی مدت میں تالیف فرمائی اور اس قدر مفصل اور جملہ حالات زندگی پر مشتمل اور فقہ اسلامیہ کے تمام ضروری مسائل پر حاوی کہ شائد ہی کوئی ایسا گوشہ رہ گیا ہو، جو کتاب کے دائرہ میں نہ آسکا ہو۔ کانپور میں اپنے زمانۂ قیام کے دوران یعنی مدرسہ فیض عام اور مدرسہ جامع العلوم کی صدر مدرسی کے ساتھ تصنیف وتالیف اور دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا، اور مواعظ حسنہ کی مجلسیں قائم ہوتی رہیں جن میں عوام وخواص شرکت کر کے اپنے دینی مستقبل کی تعمیر میں اور شرک ومعصیت کے شائبہ سے دل ودماغ کو پاکیزہ کرنے میں مصروف ہو جاتے اور لوگوں کا رجحان دین سے تعلق اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا کرنے کی طرف نہایت شدت کے ساتھ ہو جاتا۔

تھانہ بھون میں مستقل قیام

ان مواعظ حسنہ کا سلسلہ تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں بہت منظم انداز سے شروع ہوا، اس وقت آپ اپنا سلسلہ کانپور سے ختم کر چکے تھے اور دو مرتبہ حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے، آپ کا بنیادی مقصد اصلاحِ باطنی اور اخلاقی بلندی اور دین سے گہرہ تعلق قائم کرنا تھا۔ کتاب وسنت کے بحرِ زخار میں غوطہ زنی کرنے کی وجہ سے آپ پر تزکیۂ اصلاح کے نئے نئے دروازے کھلتے تھے۔ تعلیم وتزکیہ کے ذریعہ دین وشریعت کے اسرار وحقائق آپ پر منکشف

ہوتے تھے اور اس کی روشنی کا فیض حاصل کر کے خود ایک مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کر لی تھی، اور ذہن ودماغ کی تاریکیوں کو اجالوں میں تبدیل کر دینا آپ کا شیوہ وشعار بن چکا تھا۔

اُصول پسندی اور اصلاحِ امت

حضرت تھانویؒ طریقۂ بیعت وارشاد میں اپنے اصولوں کے سخت پابند تھے، وہ ہر آنے جانے والے اور بیعت کا ارادہ ظاہر کرنے والے لوگوں سے جب تک پوری طرح مطمئن نہ ہو جاتے، بیعت وارشاد کیلئے راضی نہیں ہوتے تھے۔

مختصر حالاتِ زندگی کے بارے میں

حضرت تھانویؒ کی ولادت ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہار شنبہ کے دن ہوئی، افتتاحی تعلیم مولانا فتح محمد تھانویؒ سے حاصل کی، ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۰۱ھ تک دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت طالب علم داخل ہوئے اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے درس حدیث لیا، فراغت کے بعد کانپور کے مدرسہ میں مسلسل ۱۴/سال تک قیام فرمایا اور درس وتدریس کے ساتھ اپنے مواعظ اور فتاویٰ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ابتداء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے واسطے سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے غائبانہ بیعت کی، یہ ۱۲۹۹ھ کا زمانہ تھا، ۱۳۰۱ھ میں حج کی نیت سے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر براہِ راست بیعت کا شرف حاصل ہوا، اور ان کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا، حج سے واپس آنے کے بعد تقریباً ۹/سال تک علمی

مشاغل، درس و تدریس، تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اور ۱۳۱۰ھ میں دوبارہ حج کا ارادہ کیا اور وہاں حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک قیام کیا اور تربیت وتزکیہ کا فائدہ اُٹھایا، حاجی صاحبؒ کے مشورہ کے مطابق ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے منتقل ہوکر تھانہ بھون میں مستقل قیام کی نیت فرمائی اور مسلسل ۴۷ رسال تک خانقاہ امدادیہ میں بیٹھ کر روحانی فائدہ پہنچایا اور ایک خلق کثیر کو اپنی برکات و مواعظ اور اپنی تصنیف و تالیف سے لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچایا، ان میں ایک بڑی تعداد کو اللہ تعالیٰ نے ولایت کا درجہ عطا فرمایا۔

کچھ تصنیفات کے بارے میں

آپ کی جملہ تصنیفات علمی تحقیقات، دینی حقائق اور احسان وتزکیہ کے اسرار سے معمور ہیں۔ بقول علامہ سیّد سلیمان ندویؒ: ''ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیاتِ کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک وتربیت کے نکتے، اخلاقی فضائل ورذائل کی حکیمانہ تحقیق اوران کے حصول وازالہ کی تدابیر اور زمانۂ حال کے شکوک وشبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔'' (یادرفتگاں)

حضرت تھانویؒ اور مدت اصلاح وارشاد

حضرت تھانویؒ نے ۴۷ رسال تک تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ میں اصلاح وارشاد کے کاموں میں اشتغال فرمایا اور نہایت انہماک اور دل جمعی کے ساتھ تعلیم وتربیت، اصلاح وارشاد، بیعت وسلوک، تصنیف وتالیف اور عوام و خواص کے درمیان مربیانہ شفقت کے ساتھ ایک طویل مدت گزارنے کی توفیق

حاصل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل خاص سے خصوصی مقبولیت عطا فرمائی، یہاں تک کہ انحاء ملک اور دور دراز علاقوں سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جبکہ اجازت کے بغیر حاضری ممنوع تھی۔ آپ کی عظمت شان ہی کا نتیجہ تھا اور نہایت مخلصانہ تعلق اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے دل ودماغ کے معمور ہونے کا کرشمہ تھا کہ ان تمام پابندیوں کے باوجود ہر طرف سے لوگ کشاں کشاں، صلاح وفلاح کے جذبہ سے اس شمع معرفت پر پروانہ وار گرتے تھے، خاص طور سے اہل علم کی منتخب شخصیات نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور آپ سے اصلاح وارشاد کا درس لینے کیلئے حاضری کی اجازت طلب کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ ندوۃ العلماء کے حلقہ سے علامہ سیّد سلیمان ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی، مولانا مسعود علی ندوی، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہم اللہ حضرت مولانا تھانویؒ سے نہایت گہری عقیدت اور اصلاح حال کا تعلق رکھتے تھے، اسی طرح پورے ملک کے بیشمار علماء کبار عقیدت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور علمائے دیوبند وسہارنپور اور کبار علماء میں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت تھانویؒ سب کیلئے نمونہ

حضرت تھانویؒ کی زندگی متوازن جامعیت کی نمائندگی کرنے میں بے مثال کردار کی حامل ہے، آپ کی ہمہ جہت شخصیت اُمت اسلامیہ کے ہر فرد کیلئے ایک عظیم الشان نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے، غور کیجئے کہ ایک طرف تقویٰ اور تعلق

باللہ اور معرفت الٰہی اور ولایت و معاملات میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، تو دوسری طرف تبحر علمی، کتاب وسنت کے اسرار و رموز کی گہرائیوں تک پہنچنے اور اتباع سنت و دعوت الی اللہ اور اس تربیت کے اسلوب کو حکمت و موعظت کی باریکیوں کا لحاظ کرتے ہوئے اختیار کرنے میں یکتائے روزگار ہیں اور اس غیر معمولی صفت میں اپنے معاصر علماء کے مابین امتیازی شان کے مالک ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں علم و حکمت کا سمندر موجزن ہے، ان کے فوائد کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ حاضرین کے لحاظ سے مضامین کی آمد ہوا کرتی تھی اور اسلامی زندگی اور سیرت کی تعمیر میں ان کا کردار نہایت مؤثر ہوتا تھا اور آج بھی ان مواعظ کی حیثیت ایک باعمل مربی اور مرشد کی ہے، اس لئے ان کا فیض تا قیامت جاری رہنے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اصلاح کے میدان میں فکر مندی اور بہترین نتائج

بہت سے غلط رسوم و عادات مسلم معاشرہ میں داخل ہو جانے کی وجہ سے حضرت تھانویؒ ان کی اصلاح کیلئے فکر مند اور ہر سطح پر ان کو مٹانے کی کوشش میں سرگرم رہا کرتے تھے، بدعات اور پیر و قبر پرستی کی مخالفت اور مسلم معاشرے کو اس سے پاک کرنے کی سعی مسلسل میں مشغول رہتے اور ہر ممکن ذریعہ اس کو ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا ضروری خیال کرتے تھے، مجالس وعظ میں شرکت کرنے والے اور بعد میں مواعظ سے مستفید ہونے والے ہر شخص نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، اسی لئے حضرت تھانویؒ کو اس نظر سے دیکھا جائے تو وہ اپنے زمانہ کے مجدد شمار کئے جانے کے پوری طرح اہل ہیں اور بہت سے سوانح نگار نے آپ کو مجدد کے لقب سے متصف بھی کیا ہے۔

اگر چہ حضرت تھانویؒ ہمارے درمیان جسمانی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن ان کی پاکیزہ زندگی پورے آب وتاب کے ساتھ نہ صرف ہندوستان کے گوشے گوشے میں جلوہ گر ہے، بلکہ ان کی تعلیمات وہدایات اوران کا طریقہ دعوت وتربیت، ان کے مواعظ وارشادات کے اثرات دنیا کے ہر زندہ انسانی معاشرہ میں موجود ہیں، ان کی خدمات زندگی اور کارناموں پر عربی زبان میں مفصل کتاب منظر عام پر آچکی ہے،اس سے عرب دنیا کے علماء وصالحین کو بھی ان کے کارناموں اور دعوت وتربیت کے میدان میں ان کی بے مثال کوششوں اور کاوشوں سے واقفیت ہوگئی،اس کتاب کے مصنف ایک ندوی عالم ادیب جناب مولانا رحمت اللہ ندوی ہیں۔اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر عطا فرمائے اوراس کتاب کو لباس قبولیت سے مزین فرمائے۔

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ آپکی علالت ورحلت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''محفل دوشیں وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف ومرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲؍سال ۳ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۷؍رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامت مجدد طریقت شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرض ضعف واسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹؍اور ۲۰؍جولائی (۱۹۴۳) کی درمیانی شب کو ۱۰؍بجے نماز عشاء کے وقت اس دارِفانی کو''الوداع'' کہااوراپنے لاکھوں معتقدوں،مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین ومہجور چھوڑا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون''

حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ

آپ تھانہ بھون کے باشندہ اور نسباً فاروقی تھے۔آپ کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں لیکن آپ حضرت حاجی امداد اللہ سے چند سال بڑے تھے۔حضرت حاجی کا سن پیدائش ۱۲۳۲ھ ہے۔آپ کے مزاج میں اخفاء حال اور ظرافت کا مادّہ تھا، حقہ نوشی کا شوق رکھتے تھے۔حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ نے شاملی کے جہاد آزادی میں حصہ لیا، جس کیلئے پہلے سے ہی تیاری فرمار.ہے تھے، ان کو اپنی شہادت کا قبل از وقت علم ہو گیا تھا، جیسا کہ اپنے مرید باصفا حکیم محمد ضیاء الدین صاحبؒ کو بذریعہ مکتوب جلد ملنے کی ہدایت دی تھی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بوقت شہادت پاس رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔چنانچہ معرکہ شاملی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار مقابلہ فرما کر ۲۴ رمحرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔شہادت کے وقت حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ بالکل قریب تھے، جب حضرت کے زیر ناف گولی لگی تو حضرت گنگوہیؒ آپ کو قریب مسجد میں لے گئے اور وہیں حضرت گنگوہیؒ کے زانو پر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ فرمادی۔انا للہ وانا الیہ راجعون.

وصال کے بعد نعش سے عطر خس وگلاب کی خوشبو آتی تھی

حضرت حافظ صاحب بوقت شہادت جوان تھے، داڑھی کے بال سیاہ تھے، آپ خوبرو بارعب اور گورے چٹے تھے، چہرے پر چیچک کے کچھ نشان تھے جو خوشنما معلوم ہوتے تھے، آنکھیں بادۂ معرفت کے نشہ سے مخمور اور سرخ رہتی تھیں، سر منڈاتے تھے، سینہ پہ سیاہ بال تھے، بھویں کشادہ، قدوقامت متوسط اور نہایت موزوں تھا، چہرے پر تبسم کی کیفیت نمایاں رہتی تھی۔حضرت حافظ صاحب کے خلفاء کی تعداد کا پتہ نہیں چلتا، حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ آپ کے

مشہور خلیفہ ہیں، ان کے علاوہ حافظ عبدالرحمٰن کیرانویؒ (خلیفہ) اور ایک مرید حافظ خدا بخش تھانویؒ کا ذکر ملتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحبؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے۔ ضیاء القلوب حاجی صاحب نے انہی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ حضرت حافظ صاحب صاحبِ نسبت کامل ولی تھے، جلدی کسی کو بیعت نہ فرماتے تھے جو شاید اخفائے حال کا اقتضا تھا، آپ کے پاس اگر کوئی آتا تو یہ خیال کر کے کہ یا تو یہ مسئلہ معلوم کرنے آیا ہے یا بیعت ہونے کی خواہش کرے گا چنانچہ پہلے ہی آپ اس سے فرما دیتے۔ "بھائی اگر مسئلہ پوچھنا ہو تو مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھو" انکی طرف اشارہ فرما دیتے، "اگر مرید ہونا ہے تو حضرت حاجی صاحب کے پاس جاؤ" اُدھر اشارہ فرماتے "اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جاؤ۔"

موصوف باوصف خانہ داری اہل وعیال سے نہایت آزاد اور مستغنی رہتے تھے، گویا فکر دنیا پاس نہ پھٹکا تھا، دانائے عصر اور علماء زمانہ میں ہر ایک آپ کا مخلص اور منقاد تھا۔ ہر وقت عشق الٰہی میں مست و سرشار رہتے تھے، دل کی کیفیت چہرۂ مبارک سے معلوم ہوتی تھی، محبت الٰہی کا صورت شریف پر ہر آن ظہور ہوتا تھا۔

مؤرخ نے تاریخ شہادت یوں تحریر فرمائی "شہادت مرشد ہادی"، ۱۲۷۴ھ

اسی طرح دوسرے مؤرخ نے یوں کہا۔

حوریں سب مل کر کے بولیں واہ واہ

پیر کے دن خلد میں پیر آ گئے

۱۲۷۴ھ

حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ

حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ فاروقی النسب تھے، دو جمادی الاوّل ۱۲۳۰ھ کو تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، اس کے بعد حصول علم کے شوق میں دہلی پہنچ گئے اور حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا اور آٹھ سال کی مدت میں علوم متداولہ کی تحصیل کر کے، اٹھارہ سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی اور وطن واپس آ کر درس و تدریس اور وعظ و پند میں مشغول ہو گئے۔ والد ذی حیثیت صاحب جائیداد تھے، اس لئے فکر معاش سے مستغنی رہے۔ شروع سے آپ کا حافظہ تیز اور ذہن رسا تھا، زبردست علمی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کو کسی ایک ہی علم سے مناسبت نہیں تھی بلکہ جملہ علوم، معقولات و منقولات میں تبحر حاصل تھا، اہل علم دور دور سے آکر اپنی علمی گتھیاں ان سے سلجھاتے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جو علمی نکتے ان کے دماغ میں آتے ہیں بڑے بڑے علماء کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچتا۔ نسائی شریف پر ان کا حاشیہ بہت مقبول ہے۔ آپ زود نویس اور خوش قلم بھی تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے تو دور کی قرابت تھی لیکن حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ آپ کے حقیقی پھوپی زاد بھائی تھے، اوائل عمر میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے، اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

حضرت حاجی صاحبؒ غیبی بشارت پا کر حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ حافظ محمد ضامن صاحبؒ کو معلوم ہوا تو وہ بھی اُنہی سے مرید ہو گئے۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ عرصہ تک منتظر رہے، غالباً وہ ایسے رہبر کی تلاش میں تھے جو علوم ظاہری و باطنی کا جامع ہو۔

اس دوران حضرت میاں جیؒ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور جب آپ پر یہ امر منکشف ہو گیا کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کا سینہ ہر قسم کے علوم و کمالات کا خزینہ ہے تو آپ نے بلا توقف ان کے دست حق پرست پر چشتیہ، صابریہ، نقشبندیہ اور قادریہ سلسلہ میں بیعت کر لی۔ ذاتی شوق و ولولہ اور شیخ کی نظر فیض اثر نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کے اعلیٰ مدارج پر فائز کر دیا۔ مشائخ عصر بھی آپ کے علوئے مراتب کے معترف تھے۔ آپ کو طریقہ نقشبندیہ سے فطری لگاؤ تھا۔

مولانا شیخ محمد صاحبؒ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے، دیوبند، چرتھاول، رامپور منہاران، منگلور وغیرہ میں ان کے خلفاء نے ممتاز خدمات انجام دیں۔

۱۸۵۷ھ میں مجاہدین تھانہ بھون کے ساتھ میدان شاملی میں آپ نے بھی شرکت فرمائی اور جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ تھانہ بھون پر انگریزی فوج کے قبضہ ہو جانے پر آپ کو بھی ترک وطن کرنا پڑا۔ ۱۸۶۰ھ تک رامپور منہاران میں آپ روپوش رہے۔ جلا وطنی کا یہ زمانہ علمی مشاغل کیلئے سازگار ثابت ہوا۔ چنانچہ اِنھی ایام میں مثنوی شریف کے دفتر ہفتم کی تکمیل فرمائی، علاوہ ازیں شرح حزب البحر اور ارشاد محمدی اسی دور کی یادگار ہیں۔ ریاست ٹونک میں بھی ایک عرصہ تک آپ کا قیام رہا۔ ۱۸۶۱ء میں نواب وزیر الدولہ نے احادیث تہذیب الاخلاق کی تالیف و تدوین کیلئے آپ کو بلایا تھا۔ آپ مکہ معظمہ جاتے ہوئے ٹونک تشریف لے گئے اور اس کام کو مکمل کر کے اسی سال حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسہ اور شاہ محمد اسحٰقؒ کے برادر خورد حضرت شاہ محمد یعقوبؒ سے صحاح ستہ،

تفسیر، فقہ وغیرہ کی سند حاصل کی اور تمام اشغال واذکار کی اجازت پائی جو شاہ صاحبؒ کو اپنے بزرگوں سے پہنچے تھے۔

آپ فطرۃً خندہ مزاج، شیریں گفتار اور نرم طبیعت تھے، لیکن اتباع شریعت کا اس قدر خیال تھا کہ اس میں غیر معمولی سختی تک کو روا رکھتے۔ آخری وقت تک دوسرے مشاغل کے باوصف تصنیف و تالیف، عبادات و ریاضت اور ذکر وفکر میں مشغول رہے۔ نسائی شریف کا حاشیہ مکمل فرما کر چھتاری تشریف لے گئے، وہیں مرض الوفات لاحق ہوا آپکو تھانہ بھون لے آئے۔ ۷/ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ مطابق یکم/اپریل ۱۸۷۹ء بروز منگل بعمر ۶۴/سال آپ نے دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت فرمائی اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مژدۂ جانفزا

حضرت حکیم الامتؒ کے مکان کی مرمت اور تجدید وتوسیع کرا کے اسکو باقاعدہ حضرت کے علوم و معارف کے مرکز کی حیثیت دی جا رہی ہے، حضرتؒ کی تصنیفات و تالیفات کو لائبریری کی شکل میں محفوظ کیا جائے گا۔ ان سے متعلق عربی، انگریزی، اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں ہونے والوں کاموں کو اکٹھا کئے جانے کا بھی پروگرام ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ پر کام کرنے والوں کیلئے قیام وطعام کی سہولتیں بھی فراہم ہوں گی۔

مرکز معارف حکیم الامت سے بفضلہٖ تعالیٰ نشر واشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے، سیرت طیبہ پر حضرت حکیم الامت کی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کی تسہیل تذکرۃ الحبیب منظر عام پر آگئی ہے۔ اسی طرح تصوف پر ایک اہم اور قیمتی کتاب اعمالِ دل مع احوال دل بھی شائع ہو چکی ہے۔

حق تعالیٰ ہماری مدد فرمائے مقاصد مذکورہ کی بعافیت تکمیل اور استقامت نصیب فرمائے۔

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ

سیّد نجم الحسن تھانوی

مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جمار ہا تھا، اس وقت تھانہ بھون کے ایک گوشہ میں جس کو آج خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، تین بزرگ رہا کرتے تھے (۱) حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ (۲) حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ (۳) حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ اور یہ تینوں اقطاب ثلثہ کے نام سے معروف تھے۔ یہ جگہ اس وقت ''دکان معرفت'' کہلاتی تھی جو برصغیر کی عظیم خانقاہ تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ کے علاوہ دیگر علماء کرام اور حضرات مشائخ اکثر و بیشتر یہاں تشریف لاتے اور ان اکابر سے استفادہ کرتے اور کم و بیش کچھ عرصہ قیام بھی فرماتے۔ یہ اقطاب ثلاثہ میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے خلفاء راشدین تھے اور اپنے علوم ظاہری و باطنی کے فیوض و برکات سے خواص و عوام کو فیض رسانی میں مشغول تھے۔

ان حضرات کی وجہ سے دوآبہ کا یہ علاقہ دنیا بھر میں عزت و وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ان کابرین سے قبل بھی یہ خانقاہ اور مسجد اولیاء اللہ کا مسکن علمائے کرام اور مشائخ عظام کی تربیت گاہ رہی ہے چنانچہ ابتدائی دور میں یہ جگہ حضرت شاہ پیر محمد صاحبؒ خلیفہ محمد صادق صاحب گنگوہیؒ کے دم سے آباد و شاداب رہی۔ ''کشاف اصطلاحات الفنون'' جیسی شہرۂ آفاق کتاب کے درویش صفت مصنف قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ یہیں فروکش رہے اور اسی خانقاہ میں مدفون ہیں۔

''خاتم مثنوی مولانا رومؒ'' حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ بھی یہاں ایک مدت تک طالبین کی ظاہری و باطنی تربیت فرماتے رہے اور مثنوی شریف کے دفتر ہفتم کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے اخوان طریقت کا دور آیا، ۱۲۵۹ھ، ۱۸۴۳ء میں حضرت میاں جی نور محمدؒ کا بعمر ۵۹ سال وصال ہو گیا اور یہ تینوں پیر بھائی مسند ارشاد پر بیٹھے اور اپنے پوتو انوار سے ایک علم کو منور کرنے لگے۔

اس وقت تو اس میں علوم و معرفت کی ایسی شمع روشن ہوئی کہ اس کی روشنی سے عالم کا عالم منور اور ضیاء بار ہے۔

پھر جب انقلاب آیا تو ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ کا انتقال ہو گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما کر چلے گئے، کچھ مدت کیلئے یہ خانقاہ ضرور غیر آباد ہو گئی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مقبول بندوں کی یادگار کو قائم رکھنا اور مستقبل میں اس خانقاہ کو ایک عالمگیر رشد و ہدایت اور علوم ظاہری و باطنی کی نشر و اشاعت کا جلیل القدر مرکز بنانا منظور تھا اور اس اہم و عظیم کام کو سرانجام دینے کیلئے حکیم الامت مجدد الملت محی السنہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو ازل ہی سے منتخب فرما لیا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۴ سال تک کانپور میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء اور تبلیغ میں مشغول رہے، اسی دوران حضرت حاجی صاحب کی طرف سے خلق خدا کی رہنمائی کیلئے تعلیم و تلقین

کی اجازت بھی حاصل ہو چکی تھی، چنانچہ ۱۳۱۵ھ میں آپ اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایماء اور منشاء کے مطابق مدرسہ کانپور کی ذمہ داری دوسرے معتبر ہاتھوں میں سونپ کر نہایت حسن تدبیر سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن اور اپنے پیر و مرشد کی یادگار خانقاہ امدادیہ میں تشریف لے آئے اور تھانہ بھون میں سکونت اختیار فرمائی۔

حضرت حاجی صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا: "بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ (امداد العلوم) و مسجد کو از سر نو آباد کریں، میں ہر وقت آپکے حال میں دعاء کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔" (مکتوبات امدادیہ صفحہ ۳۶)

تھانہ بھون میں توکلاً علی اللہ اپنے بزرگوں کی مقدس مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو کر اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک ایسا مکمل و منضبط لائحہ عمل تیار کیا جس کے پیش نظر عظیم الشان دینی و اصلاحی خدمات کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے، پھر انفرادی اصلاح اور تربیت باطنی کے کام کو بہت فروغ ہوا اور یہ جگہ مریضانِ باطنی کے علاج کا مرکز بن گئی۔

توجہ فرمائیں

قارئین کی خدمت میں درخواست ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی قدیم کتب النور الہادی الامداد وغیرہ رسائل، تحریرات، تبرکات جس شکل میں بھی ہوں ادارہ کو عطیہ کے طور پر ارسال فرمائیں تاکہ وہ محفوظ بھی ہو جائیں اور ان کی افادیت بھی عام ہو۔